نورالحسن راشد
مولویان ۔ کاندھلہ ۔ ضلع مظفر نگر (اتر پردیش)

حیاتِ سرسیّد کا ایک گُم شدہ ورق

سرسید کے ابتدائی حالات اور تعلیم کی نسبت جو معلومات ملتی ہیں اُن میں سرسید کے اصل استاد، ذہنی اور فکری رہبر مولانا نورالحسن کاندھلوی کا کہیں بھی مفصل ذکر نہیں ملتا جن کا سرسید کی شخصیت سازی میں سب سے زیادہ دخل رہا ۔ ان کو سرسید بڑی محبت اور احترام کے ساتھ میرے استاد، استادی، استاذی اور ملاذی سے یاد کرتے تھے ۔ ہم اس مضمون کے ذریعہ سرسید کی زندگی کے اس اہم باب پر پہلی بار تفصیل سے روشنی ڈال رہے ہیں ۔

مولانا نورالحسن (بن مولانا ابوالحسن حسن بن مفتی الٰہی بخش نشاطؒ کاندھلوی) ۲ ربیع الثانی ۱۲۲۷ھ (۹ مئی ۱۸۱۲ء) کو کاندھلہ (ضلع مظفر نگر یو پی) کے مشہور صدیقی خاندان میں پیدا ہوئے جو صدیوں سے علم و شرافت کے لئے ممتاز رہا ہے ۔ قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم والد بزرگوار اور دادا سے حاصل کی ۔ مزید تعلیم کے لئے دہلی بھیج دیئے گئے ۔ دہلی کب جانا ہوا، اس کا علم نہیں ۔ لیکن ۱۲۴۵ھ (۱۸۲۹ء) میں دہلی ہی میں قیام تھا اور مدرسہ دلی (دلی کالج) میں "نورالانوار" وغیرہ پڑھتے تھے[1]

مولانا کا ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) تک دہلی قیام رہا ۔ ایام تعلیم میں مولانا فضل حق خیر آبادی اور مفتی صدرالدین آزردہ کے شاگرد بھی مولانا سے پڑھتے رہے ۔ اسی زمانے میں سرسید کے مولانا سے تلمذ کی ابتدا ہوئی[2] تعلیم کے بعد آگرہ گورنمنٹ کالج میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے ۔ چار سال آگرہ کالج میں پروفیسر رہے ۔ پھر سکریٹری کالج کے متعصبانہ رویہ کی وجہ سے مستعفی ہوگئے ۔
یہ چار سالہ دور مولانا کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے ۔

آگرہ کے اس قیام میں مولانا کو مشنری لٹریچر کے گہرے مطالعہ کا موقع ملا اور اعلیٰ انگریزی حکام اور پادریوں کے قریبی تعلقات سے مولانا پر یہ بات ظاہر ہوگئی تھی کہ عن قریب ملک کے سیاسی نقشوں میں تبدیلیاں ہوں گی جو مسلمانوں کے زوال کا باعث بنیں گی اور اسی وقت مولانا نے یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ ان حالات میں انگریز کا مقابلہ طاقت سے نہیں کیا جاسکتا ۔ اس وجہ سے مولانا ۱۸۵۷ء میں جنگی سرگرمیوں کے مخالف رہے ۔

مولانا کے آگرہ کے قیام کے دوران پادری فنڈر بھی چرچ مشنری سوسائٹی کی طرف سے آگرہ بھیج دیئے گئے ۔ فنڈر کی آگرہ پہنچ کر مسلم علماء میں سب سے پہلے جس شخص سے ملاقات اور عیسائیت و اسلام کے موضوع پر خط و کتابت ہوئی وہ مولانا نورالحسن تھے ۔ فنڈر مولانا کی شخصیت سے بہت متاثر ہوا ۔ فنڈر نے مولانا سے پہلی ملاقات اور خط و کتابت کا ذکر اپنی ذاتی ڈائری میں کیا ہے ۔ فنڈر کی یہ ڈائری ادارہ BASELET EVANGELJSCHE MISSIONS GESELLSCHAFT برسلز میں موجود ہے اس ڈائری کے کچھ اقتباسات جرمن اخباروں میں بھی آئے تھے[3] پادری فنڈر سے مولانا کی ملاقات کا ایک دلچسپ قصہ مولانا اشرف علی تھانوی بھی بیان کیا کرتے تھے[4]

آگرہ میں سر ولیم میور سے بھی مولانا کا ربط رہا، بعد میں دونوں کے تعلقات خاصے دوستانہ ہوگئے تھے ۔ مولانا کے آگرے سے آجانے کے بعد سر ولیم میور مولانا سے ملاقات کے لئے ایک مرتبہ کاندھلہ آئے تھے ۔ ولیم میور کے کاندھلہ آنے کا ذکر ایک پرانی تحریر میں ہے ۔

مولانا آگرہ سے آنے کے بعد نکوڑ (ضلع سہارنپور یو پی) میں مولانا فضل عظیم (برادر مولانا فضل حق خیر آبادی) تحصیلدار نکوڑ کی جگہ قائم مقام تحصیلدار مقرر ہوئے ۔ ۱۲۶۴ھ (دسمبر ۱۸۴۷ء) میں مستقل تحصیلدار ہوگئے تھے ۔ چند ماہ سہارنپور میں اسی عہدہ پر متعین رہے ۔ جمادی الآخر ۱۲۶۷ھ (اپریل ۱۸۵۱ء) میں مستعفی ہو کر وطن چلے آئے ۔ سرسید کے ایک مکتوب میں مولانا کی ملازمت تحصیلداری کا ذکر اشارۃً ملتا ہے ۔ یہ ذکر کرتے ہوئے کہ انگریز سرکار کی ملازمت تحصیلداری وغیرہ میں کوئی شرعی ممانعت نہیں ۔ ایک دوست کو لکھتے ہیں

"ایک نہایت بزرگ اور مقدس شخص نے اسی وجہ سے عہدہ تحصیلداری قبول کیا تھا[5]"

مولانا کو وطن آتے ہوئے زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ بنی سنگھ مہاراجہ الور نے مولانا کے فضل و کمال کا شہرہ سن کر اپنے دربار میں بلالیا ۔ ذی قعدہ ۱۲۶۷ھ (ستمبر ۱۸۵۱ء) میں الور کے لئے روانگی ہوئی ۔ ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۴ء) تک وہیں قیام رہا ۔ انہیں دنوں میں مولانا کی کوشش سے مولانا فضل حق خیر آبادی بھی رام پور سے الور پہنچ گئے ۔ الور کی ملازمت چھوڑنے کے بعد وطن میں قیام کیا اور یہیں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا[6]

مولانا نورالحسن کے شاگردوں میں سرسید کی مشہور شخصیت کے علاوہ اور بھی بہت سے نامور علماء شامل ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔ مولانا احمد حسن مرادآبادی متوفی ۱۲۸۸ھ۔ مفتی ریاض الدین خاں کاکوروی متوفی ۱۲۹۵ھ، مولانا لطف علی راجگیری متوفی ۱۲۹۶ھ، مولانا عبداللہ بلگرامی متوفی ۱۳۰۵ھ، مولانا عبدالحق بن مولانا فضل حق خیرآبادی متوفی ۱۳۱۸ھ، مولانا شیخ محمد بن غلام رسول سورتی متوفی ۱۳۶۴ھ، مولانا عبداللہ بایزید پوری متوفی ۱۳۲۸ھ، مولانا محمد حسین بٹالوی متوفی ۱۳۳۸ھ۔ مولانا سید محمد تقی نصیرآبادی، مولوی محمد عبدالرحمٰن کلیانوی پیدائش ۱۸۳۶ء اور استاد مہارانا شنبو سنگھ و مہارانا سجن سنگھ (سپرنٹنڈنٹ پولیس و جج ریاست اودے پور)،

"حاشیہ ہدایہ آخرین"، "حاشیہ دیوان متنبی"، "تاریخ ریاست الور" صنعت اہمال (بے نقط الفاظ میں) انتخاب احادیث استبصار مؤلفہ مولانا آل حسن موہانی، "رسالۂ فرائض"، مولانا کی علمی یادگار ہیں اور امیر شاہ خاں خورجوی کی روایت کے مطابق "مایہ مسائل" (منسوب بہ شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی) بھی مولانا نورالحسن کی تالیف ہے۔

مولانا نے ۱۱ محرم ۱۲۸۵ھ (۵ مئی ۱۸۶۸ء) بروز سہ شنبہ وفات پائی۔ مفتی الٰہی بخش کے پائیں کاندھلہ میں دفن ہوئے۔

سرسید کے مولانا سے تلمذ کی ابتدا دہلی کے قیام میں ہو چکی تھی۔ مولانا کے آگرہ کے قیام میں سرسید کو مولانا کے قریب ہونے اور زیادہ استفادہ کرنے کا موقع ملا، ان دنوں سرسید فتحپور سیکری میں منصف تھے، مولانا سے سرسید کے یہ مراسم نئے نہ تھے، بلکہ سرسید کے لفظوں میں "اس خاندان (خاندان مولانا نورالحسن) اور میرے خاندان سے کئی نسلوں سے بہت زیادہ تعارف رہا ہے۔" سرسید مولوی علاء الحسن کاندھلوی کی سند میں مولانا نورالحسن کے خاندان کا تعارف کرانے کے بعد لکھتے ہیں۔

"اس خاندان اور میرے خاندان سے کئی نسلوں سے بہت زیادہ تعارف رہا ہے۔ مفتی الٰہی بخش مرحوم نواب نجیب الدولہ حاکم روہیل کھنڈ و سہارنپور و مظفرنگر و اضلاع قرب و جوار کے یہاں اس وقت مفتی تھے کہ جب کہ احمد شاہ ابدالی نے (۱۷۶۱ء میں) ہندوستان پر حملہ کیا۔ ۱۷۷۰ء میں بعد وفات نجیب الدولہ اس کا بیٹا نواب ضابطہ خاں جانشین ہوا۔ مگر مفتی الٰہی بخش کے خاندان کا رویہ بدستور قائم رہا۔ مولوی ابوالحسن اُن کے بیٹے ایک مشہور عالم تھے۔ ان کے بیٹے مولوی نورالحسن مرحوم چند سال تک آگرہ کالج میں اس وقت پروفیسر عربی تھے جبکہ اول زمانہ میں ایسے کالجوں میں عربی کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان کے بیٹے مولوی محمد اکبر میری سفارش پر اول پروفیسر عربی کے مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں مقرر ہوئے۔"

سرسید مولانا سے آگرہ کے قیام میں بھی تعلیم حاصل کرتے رہے، سرسید ہر اتوار کو مولانا کی خدمت میں جاتے اور استفادہ کرتے مولانا حالی لکھتے ہیں:

"جس زمانہ میں وہ (سرسید) سیکری میں منصف تھے۔ اسی زمانہ میں مولوی نورالحسن آگرہ میں منصف تھے، سرسید کی ان کی نہایت گہری دوستی تھی، مطالعہ کے وقت کتاب کے مشکل مقامات جو سمجھ میں نہ آتے تھے، اُن کے سمجھنے کے لئے ہر اتوار کو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آگرہ مولانا کے پاس آتے تھے۔ کئی برس بلا ناغہ ان کا یہی دستور رہا، وہ (سرسید) کہتے تھے میرا گھوڑا راستہ سے ایسا آشنا ہو گیا کہ ایک بار آگرہ سے چھوٹ کر فتحپور اپنے مکان پر پہنچ گیا۔"

حالی نے مولانا نورالحسن کو منصف آگرہ لکھا ہے۔ یہ صحیح نہیں، مولانا آگرہ کالج میں عربی کے پروفیسر تھے جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ مولانا حالی کے اس بیان سے بھی اتفاق بہت مشکل ہے کہ "مشکل مقامات جو سمجھ میں نہ آتے تھے اُن کے حل کرنے کے لئے" جاتے۔ کیا تین سال تک صرف مشکل مقامات حل کرنے کے لئے اتنی پابندی سے جاتے رہے؟ واقعہ یہ ہے کہ ان تین سال میں سرسید نے مولانا سے عربی پڑھی اور اس میں اچھی استعداد پیدا کرلی، مولانا حالی تو مولانا کو سرسید کا اُستاد تسلیم نہیں کرتے لیکن میر ولایت حسین نے آپ بیتی میں (اس خاندان سے ناراضگی کے باوجود) مولوی محمد اکبر کا ذکر کرتے ہوئے انہیں "استاذ زادہ سرسید" لکھا ہے۔

سرسید نے فتحپور سیکری کے قیام میں تین رسالے (جلاء القلوب بذکر المحبوب۔ تحفۂ حسن۔ تسہیل فی جر ثقیل)، لکھے اور طبع کرائے۔ ان تینوں میں سرسید مولانا کو اپنا استاد بیان کرتے ہیں۔ سرسید کی تحریروں میں سب سے پہلے جلاء القلوب بذکر المحبوب میں مولانا کا ذکر ملتا ہے سرسید لکھتے ہیں:

فقیر حقیر سید احمد حسینی الحسنی المخاطب بہ جواد الدولہ سید احمد خاں بہادر عارف جنگ نے اس رسالہ کو سرور المحزون سے ماخوذ کیا اور چند مطالب مدارج النبوۃ سے اس میں بڑھائے اور بعض بعض باتیں اصل رسالہ سے کم کر دی گئیں اور جناب استادی اعلم العلماء و افضل الفضلاء مولانا محمد نورالحسن سلمہ اللہ تعالیٰ کی اصلاح سے صحیح و درست ہوا۔

سرسید کی دوسری تالیف جس میں مولانا کا ذکر ملتا ہے "تحفۂ حسن" ہے۔ سرسید نے اس کی تمہید اور وجۂ تالیف میں مولانا کا ذکر کیا ہے،

کہ یہ رسالہ بھی میرے استاد مولانا نورالحسن کے رہنمائی فرمانے اور ان کی اصلاح سے شائع ہو رہا ہے۔ سرسید لکھتے ہیں:

"جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز نے جو تحفۂ اثنا عشریہ لکھی ہے اس سے تحفہ کوئی کتاب نہیں ہو سکتی اور بن کہیں آتی۔ اس واسطے میں نے اس کتاب کے دسویں باب سے مطاعن حضرت ابوبکر صدیق کا جو خلیفہ اول ہیں صاف اُردو زبان میں ترجمہ کیا کہ چھوٹے سے بڑے تک اور جاہل سے عالم تک کو فائدہ پہنچے اور شیعوں کی اچھی اچھی باتیں سب کو معلوم رہیں اور اس ترجمہ کا نام "تحفہ حسن" رکھا۔ اگرچہ ظاہر ہے کہ اس ہیچمدان کو اتنی کہاں استعداد تھی کہ تحفہ کے ترجمہ کا نام لیتا بلکہ اس کا خیال بھی دل میں لاتا۔ لیکن جناب استاذی اور ملاذی حضرت مولوی محمد نورالحسن کو اللہ تعالیٰ سلامت رکھے اور دین دنیا میں ان کا بھلا کرے کہ انہوں نے میرے دل کو تقویت دی اور سب طرح کی ذمہ داری لی جب میں نے اس پر ہاتھ ڈالا اور ترجمہ کا ارادہ کیا، شکر خدا کا کہ یہ سارا ترجمہ اُن کی اصلاح سے درست ہوا اور ان کے ملاحظہ سے گذرا ہے۔ اب اللہ سے یہ امید ہے کہ سب کے پسند آوے اور اس کے سبب سے لوگوں کو ہدایت ہووے اور مجھے اور مولانا کو ثواب ملے وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین"

رسالہ کا نام تحفہ حسن بھی قابلِ توجہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرسید نے یہ نام اپنے استاد کے نام پر رکھا ہے۔ کوئی اور وجہ تحفہ حسن نام رکھنے کی سمجھ میں نہیں آتی۔

سرسید کی تیسری تالیف جس میں مولانا کا ذکر بحیثیت استاد آیا ہے تسہیل فی جر الثقیل ہے۔ اس کے شروع میں سرسید نے لکھا ہے:

اس علم میں پہلے پہل ابوذر حکیم نحایف یمن کے رہنے والے نے عربی زبان میں ایک رسالہ لکھا تھا۔ بعد اس کے ابو علی نام ایک شخص عالم نے فارسی زبان میں اس کا ترجمہ بطور خلاصہ کے کیا اور معیار العقول اس کا نام رکھا، ایک دفعہ کپتان جارج ولیم ہملٹن صاحب بہادر کہ کورن کی پلٹن میں ۳۶ رجمنٹ کے کپتان اور بہت ذی علم اور رئیس دوست ہیں اور پادری جیمس مور بہادر سے کہ بہت خدا پرست ہیں اس علم کا کچھ ذکر آیا اور اس رسالہ کے بعض بعض قواعد میں نے اُن کے سامنے رکھے۔ انہوں نے بہت پسند کئے اور اس کے اُردو میں ترجمہ ہونے کے باعث ہوئے۔ چنانچہ میں نے سن ۱۲۵۹ ہجری صلی اللہ علیہ وسلم مطابق ۱۸۴۳ عیسوی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام میں اس رسالہ کے قواعد کا اُردو میں ترجمہ کیا اور اپنے استاد مولوی محمد نورالحسن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی اصلاح سے صحیح اور درست کیا[۲۳]

ان رسالوں کے علاوہ سرسید نے اپنی اہم تالیف آثار الصنادید میں بھی مولانا کا ذکر کیا ہے۔ اس تذکرہ کے آخر میں سرسید لکھتے ہیں:

"بمقتضا اس کے کہ ؎ بداں را بنیکاں بہ بخشد کریم، راقم آثم کے حال پر اُن حضرات کی نگاہ توجہ کو اب مصروف کر دیا ہے کہ بدرجہ غایت نظر تربیت استادانہ سے منظور فرمائیں کہ شاید یہی نظرِ عنایت بارگاہِ کریم میں اس احقر کی نجات کا سبب ہو جائے، کوتاہ شب وفسانہ بسیار، زبانِ قلم قاصر ہے کہاں تک کہے۔ اگر زمانہ مساعد ہوگا تو ایک دفتر علیحدہ ان سرگروہ کملائے دہر کے محامد میں لکھوں گا[۲۵]"

سرسید نے "آثار الصنادید" کے چوتھے باب میں ایک سو سترہ اربابِ کمال کا ذکر کیا ہے جس میں اٹھائیس نامور علماء ہیں۔ مگر ایسے عقیدتمندانہ الفاظ اور اُن کے حالات میں ایک علیحدہ دفتر مرتب کرنے کی خواہش سوائے مولانا نورالحسن کے تذکرہ کے اور کہیں نہیں ملتی۔ آثار الصنادید کی یہ عبارت بتا رہی ہے کہ سرسید مولانا سے کیا تعلق رکھتے تھے۔

اس کے علاوہ سرسید پر مولانا کے نظریات وخیالات کا غیر معمولی اثر نظر آتا ہے۔ ہم صرف ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔ مولانا نورالحسن آگرہ کالج میں ظہر کی نماز پڑھنے جا رہے تھے راستہ میں سکریٹری کالج سے ملاقات ہوئی۔ اس نے نماز کو جانے سے منع کیا اور روکنا چاہا لیکن مولانا نہیں مانے اور نماز کے لئے چلے گئے۔ واپس آکر پروفیسری سے استعفیٰ دیدیا۔ جب مولانا فضل حق خیر آبادی کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اس حمیتِ دینی پر اظہارِ مسرت کیا اور لکھا:

"بدر یافت قطع کردن آں اعز سلسلہ روزگار بجہت دینی بغایت مسرور شدم بفضل رزاق مطلق روزی بسیار است انشاء اللہ عن قریب در مظفر نگر وغیرہ اضلاع روزگار صورت می بندد نظر بر شانِ رزاقی باید داشت"

ایسے ہی ایک افسر سے سرسید کے نامور رفیق، نواب وقار الملک کا سابقہ پڑا جو نماز پڑھنے پر تعرض کرتا تھا۔ انہوں نے اس کی اطلاع سرسید کو دی تو سرسید نے انہیں لکھا "نماز جو خدا کا فرض ہے۔ اس کی ادائگی میں ہم اپنی غفلت سے سستی کریں تو قابلِ معافی ہے لیکن کسی کے کہنے سے نماز نہ پڑھنا کفر ہے جس کی معافی کی کوئی امید نہیں۔" سرسید اس خط

میں لکھتے ہیں:

"تم کو یا تو پہلے ہی خود اپنی شامتِ اعمال سے ایسا طریقہ اختیار کرنا تھا جو کبھی اس قسم کی بحث نہ آتی اور جب ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا تھا تو پھر لجلجانا اور گڑگڑانا، اور حضور رخصت ہی دیں تنخواہ کاٹ لیں کہنا واہیات تھا، طلاق سے استعفا دیدینا تھا اور صاف کہدینا تھا کہ میں اپنے خدائے عظیم الشان قادر مطلق کے حکم کی اطاعت کروں گا نہ آپ کی، کیا ہوتا، نوکری نہ میسر آتی فاقے سے مرجاتے بہت اچھا ہوتا"[۲۵]

اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرسید اپنے استاد مولانا نورالحسن کے طرز فکر سے کس قدر متاثر ہیں اور ان کی زندگی کے ایک ایک واقعہ سے کس طرح رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

مولانا کو بھی سرسید سے غیر معمولی تعلق تھا۔ سرسید ربیع الثانی ۱۲۷۱ھ (جنوری ۱۸۵۵ء) میں دہلی سے بجنور صدر امین مقرر ہو کر گئے۔ سرسید کے بجنور کے قیام میں مولانا نے سرسید کو جو خطوط لکھے ان میں سے چند خطوط کی تاریخ تحریر مولانا کے قلم سے یہ ہے

۷ رجب ۱۲۷۱ھ - ۸ رشعبان ۱۲۷۱ھ - ۲ ررمضان ۱۲۷۱ھ
۱۰ رذی قعدہ ۱۲۷۲ھ ذی الحجہ ۱۳ ر روز دوشنبہ ۱۲۷۲ھ سید صاحب بجنور۔

اس تحریر میں صرف "محصول ادا شدہ" خطوط کا ذکر ہے۔ جو خط محصول ادا کئے بغیر یا ٹکٹ لگا کر بھیجے گئے وہ یقیناً ان کے علاوہ اور مذکورہ تعداد سے بہت زیادہ ہوں گے، مولانا فضل حق خیرآبادی اور مفتی صدرالدین آزردہ کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ سرسید کی ملاقاتیں اور خط و کتابت ان دونوں سے زیادہ مولانا نورالحسن سے رہتی تھیں۔

سرسید مولانا کے کتب خانہ سے مطالعہ اور استفادہ کے لئے کتابیں بھی منگاتے رہتے تھے۔ مولانا نے اپنی یادداشت میں ان کتابوں کے نام لکھے ہیں جو سرسید کے یہاں مستعار اور زیر مطالعہ تھیں۔

۱۔ استیعاب	نزد سرسید احمد خاں صاحب
۲۔ برہان (شرح مواہب الرحمان)	ایضاً
۳۔ دیوان متنبی	ایضاً
۴۔ مقامات بدیعی	ایضاً
۵۔ لغات القرآن	ایضاً
۶۔ شرح مقامات اول	ایضاً

مولانا کی وفات کے بعد بھی سرسید اور مولانا کے خاندان کے تعلقات بدستور رہے۔ سرسید نے مولانا کے خاندان سے تلمذ کی روایت کو اپنی اولاد اور خاندان میں بھی قائم رکھا۔ سید محمود نے عربی فارسی کی تعلیم اسی خاندان کی معروف شخصیت حافظ عبدالرحمان حیرت (نبیرہ مفتی الٰہی بخش) سے حاصل کی[۲۶] سرراس مسعود نے مولوی ریاض الحسن محمد سلیمان سے تعلیم پائی[۲۷] اور سید محمد علی (برادرزادہ سرسید) نے مولوی محمد اکبر کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ان کے صاحبزادے کہا کرتے تھے "ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا اس خاندان سے تلمذ کا سلسلہ باقی رہے۔ اسی لئے میری تعلیم کی ابتدا مولوی بدرالحسن سے ہوئی اور میرے والد نے مولوی محمد اکبر سے تعلیم پائی"[۲۸]

سرسید کے مولانا نورالحسن اور ان کے صاحبزادوں سے تعلقات کی یادگار سرسید کے تقریباً سو خط تھے۔ ہمیں اس ذخیرہ میں سے صرف دو خط دستیاب ہو سکے ہیں۔ ان میں سے پہلا خط مورخہ ۱۸ راپریل ۱۸۴۹ء پیش کر رہا ہوں۔ دوسرا خط مورخہ ۳۱ ردسمبر ۱۸۶۲ء از غازی پور سرسید نے تبیین الکلام (تفسیر انجیل) کی اشاعت پر مولانا کو لکھا تھا۔ اس میں سرسید نے لکھا ہے کہ میں نے یہ تفسیر کیوں اور کن حالات میں لکھی ہے۔ اسکے لئے کیا مصیبتیں برداشت کیں اور اسکی طباعت پر لوگوں نے میرے بارے میں کن خیالات کا اظہار کیا۔ کسی نے مجھ کو مرتد بے دین کہا کسی نے نصرانی بتایا اب میں جس قدر اوراق چھپ چکے ہیں آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں۔ ان کو ملاحظہ کرنے کے بعد مجھ کو اطلاع فرمایئے کہ میں کون ہوں مسلمان یا کافر یا مرتد یا نصرانی؟

پہلا خط جو اگلے پیراگراف میں درج ہے کئی طرح سے بہت اہم ہے۔ (۱) سرسید کے اب تک دریافت شدہ خطوط ان کے اعزہ اور دوستوں کے نام ہیں۔ یہ ایسا خط ہے جو سرسید نے اپنے استاد کو لکھا ہے (۲) یہ خط فارسی میں ہے اور سرسید کی فارسی تحریریں بہت کم دستیاب ہیں (۳) سرسید کے اب تک دریافت شدہ خطوط میں سب سے پرانا بھی ہے۔ شیخ محمد اسماعیل نے "مکاتیب سرسید" میں مولوی سید بندہ علی کے نام خط مورخہ ۴ رجون ۱۸۴۹ء کو سب سے پہلا خط قرار دیا ہے۔ ہماری معلومات کی حد تک مکتوبات سرسید کی اشاعت کے بعد سے اب تک اس سے پرانا کوئی خط شائع نہیں ہوا۔ یہ خط جس کاغذ پر لکھا گیا ہے۔ اس کا رنگ ہلکا آسمانی رہا ہوگا لیکن اب ملگجا سا ہے۔ اس کاغذ کی لمبائی ساڑھے آٹھ انچ اور چوڑائی سوا پانچ ہے۔ پہلے صفحے کی پیشانی پر تین انچ جگہ سادہ چھوڑ دی گئی ہے۔ دائیں طرف ایک انچ بائیں طرف ایک انچ سے کچھ کم حاشیہ ہے۔ دوسرے صفحے پر دونوں طرف پون انچ حاشیہ چھوٹا ہوا ہے۔ پہلے صفحے پر نو سطریں اور دوسرے صفحے پر ۱۳ سطریں آئی ہیں۔ اصل تحریر میں قدیم طرز کتابت کے مطابق بہت سی جگہ نقطے نہیں تھے نقل میں تمام ضروری نقطے لگا دیئے گئے[۲۹]

جناب حضرت قبلۂ کونین و کعبۂ دارین مدظلہ العالی[۳۰]

بعد سلام مسنون الاسلام و بجا آوری آداب و تسلیمات،

معروض آنکہ دو قطعہ عنایت نامہ شرف صدور فرمود، معزز

وممتاز گردانید۔ عنایت نامہ ثانی کہ دراں ارادہ رونق افروزی اینجا درایام حصول رخصت بود گویا در حقیقت جان درجانب بیجاں دمید۔ خدا داند کہ ہر قدر اشتیاق وتمنائے ملازمت جناب کہ بایں خاکسار است آنجناب را شمہ ازاں ہم معلوم باشد یا نباشد لیکن چوں دل را ایں صفت میدانم باورم است کہ جناب را ہم چنیں مسرت وخورش خواہد بود۔ الحال کہ جناب ارادہ خود ظاہر فرمودند ناحق منت بریں خاکسار نہادند۔ ورنہ ضرور سارادہ کردہ بودم کہ ہرگاہ جناب بحصول رخصت بدولت خانہ تشریف خواہند آورد جناب را تکلیف قدم رنجگی اینجا خواہم داد۔ واگرچہ توقع انکار از حضرت نداشتم لیکن ارادہ کردہ بودم کہ شاید اگر انکار فرمودند جنگ خواہم ساخت۔ نعوذ باللہ جنگ چہ معنی دارد بمنت وعاجزی پیش خواہم آمد الحال کہ حضرت خود ارادہ آں کردہ اند بخدا سوگند است کہ اس قدر خوشی حاصل شدہ است کہ اگر بادشاہت ہندوستان بمن میداند ایں قدر خورسندی نمی یافتم۔ لیکن چوں غم دشمن ہم اند اندیشہ دارم کہ مبادا ایں وعدہ بوفا نانجامد بمحبت قلبی وارادت دلی کہ بجناب دارم اگرچہ تقاضائے آں میکند کہ دعاے وفائے وعدہ ہم نکنم چہ رشک سے میگذارد کہ دیگراں ہم از فیض خدمت عالی فیضیاب شوند۔ لیکن بہر حال ہم را پسندیدم و دعا ہا می کنم کہ خداوند کریم ایں وعدہ را بانجام مع الخیر باتمام رساند بالنبی والہ الامجاد۔

بہر حال خادم وکمترین غلام شما ام اگر ذرہ نوازی وپروردہ پروری خواہد ساخت بعید از عنایت بزرگانہ نخواہد بود۔ من جناب را کمتر از بزرگاں ومربیان خود نمیدانم پس ہرچہ خواہد ساخت احسان ومنت نیست۔ چہ از بزرگاں نسبت بحال خورداں ہمیں رسم است۔ باقی حالات اینجا بدستور است۔ امرے تازہ نیست کہ عرض نمایم خصوصاً دریں وقت کہ آتش شوق ملازمت سر بفلک کشیدہ است ہرچہ می آید ہمہ را میسوزد اگرچہ دو سہ امر نوشتنی بخدمت بودند لیکن ہمہ فراموش شدند متعاقب انشاء اللہ خواہم نگاشت۔ از ارادہ حصول رخصت مطلع فرمایند کہ تا کے صورت خواہد بست

والسلام

عرضی

خاکسار سید احمد

۱۸ اپریل ۱۸۴۹ء

فٹ نوٹ

۱؎ مولانا ابوالحسن کاندھلوی، تعلیم مفتی الٰہی بخش سے حاصل کی۔ گوشہ نشین اور تارک دنیا بزرگ تھے۔ شعر وسخن کا پاکیزہ ذوق رکھتے تھے۔ ان کا کلام سادہ مگر پُرتاثیر ہے۔ مولانا حسن کی تالیفات میں "گلزار ابراہیم" مشہور ومعروف ہے۔ اس کے علاوہ "مثنوی بحر الحقیقت" "مثنوی سمجھ بوجھ" "مثنوی جد وجہد" "منبع فیض العلوم" ترجمہ منظوم مثنوی مولانا روم دفتر اول "حل الغوامض" (ذرائض میں) اور "رسالہ بحران" (طب میں) مولانا کی یادگار ہیں۔ مولانا نے اپنا کلام بھی دو جلدوں میں مرتب کیا تھا۔ مولانا کے ترجمہ مثنوی کی ایک نقل مولوی کریم الدین پانی پتی نے گارساں دتاسی کو بھیجی تھی۔ گارساں نے اپنے خطبات میں اس کا ذکر کیا ہے خطبہ ۱۵ ص ۳۸۱ - ۳۸۲ طبع انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد ۱۹۳۵ء

مصطفیٰ علی خاں شیفتہ نے "گلشن بے خار" (ص ۹۰ طبع اول ۱۸۴۳ء) میں امیر محمد خاں سرور نے "عمدہ منتخبہ" میں (ص ۲۱۵ - ۲۱۶ طبع شعبہ اُردو دلی یونیورسٹی دلی ۱۹۶۱ء) اور سعادت خاں ناصر نے "خوش معرکہ زیبا" (ص ۷۱، ۱۷۶ طبع نسیم بکڈپو لکھنؤ ۱۹۷۱ء) میں اور ان کے علاوہ بھی متعدد تذکرہ نگاروں نے مولانا حسن کا ذکر کیا ہے۔

مولانا حسن نے ۱۰ر جمادی الاول ۱۲۶۹ھ / ۲۰ر مارچ ۱۸۵۳ء کو کاندھلہ میں وفات پائی۔

۲؎ مفتی الٰہی بخش نشاط بن مولانا حکیم شیخ محمد عرف شیخ الاسلام (طبیب خاص مہاراجہ جے پور) (ولادت ۱۱۶۲ھ وفات ۱۵ر جمادی الآخر ۱۲۴۵ھ / ۱۲ر دسمبر ۱۸۲۹ء) والد محترم سے تعلیم حاصل کی۔ پھر تکمیل علوم کے لئے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تین برس شاہ صاحب کی خدمت میں رہ کر فنون کی تکمیل کی۔ تعلیم کے بعد نواب نجیب الدولہ کی سرکار میں مفتی اول کے عہدہ پر فائز ہوئے اور نواب ضابطہ خاں کی وفات تک یہیں متعین رہے ضابطہ خاں کی وفات کے بعد مختلف شہروں اور علمی مرکزوں میں قیام رہا۔ آخر عمر میں کاندھلہ آگئے تھے۔ کاندھلہ میں وفات پائی۔ مفتی الٰہی بخش نے متعدد علوم میں ساٹھ تالیفات یادگار چھوڑیں مفتی الٰہی بخش عربی فارسی اور اُردو کے قادر الکلام شاعر تھے۔ ان تینوں زبانوں میں مفتی صاحب نے اپنا کلام جمع کیا تھا۔ مفتی صاحب کا تکملہ مثنوی مولانا روم بہت مشہور ہے جو ۱۸۴۸ء سے برابر چھپ رہا ہے۔ مفتی صاحب کا تالیف کردہ بارہ ماسہ (بکٹ کہانی) بھی کئی بار چھپ چکا ہے۔ بڑے بڑے نامور علماء ومحدثین کو مفتی صاحب کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔

۳؎ اکبر شاہ ثانی نے مولوی ابوالقاسم خلف مفتی الٰہی بخش کے لئے کمشنر ضلع میرٹھ کو ایک سفارش نامہ اپنے قلم سے لکھا تھا۔ اس میں اکبر شاہ نے لکھا ہے

فضیلت ولیاقت خاندان شاں از فرط ظہور محتاج تعارف نیست

۴؎ دلی کالج سے نور الانوار میں کامیابی پر عطا شدہ سند (جنوری ۱۸۳۰ء) ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے اور مولانا کی کئی کتابوں پر "خرید کردہ در قیام دہلی ۱۲۳۶ھ" تحریر ہے۔ ان کے پیش نظر مولف محترم "مشائخ کاندھلہ" کا یہ بیان درست نہیں کہ "تکمیل تعلیم کے لئے ۱۲۴۷ھ میں دہلی کا سفر اختیار فرمایا"۔ مشائخ کاندھلہ۔ تالیف مولانا احتشام الحسن کاندھلوی طبع دہلی ص ۱۲۵

۵؎ دلی کے قیام میں مولانا کے روابط مرزا غالب سے بہت دوستانہ اور بے تکلف ہو گئے تھے۔ مرزا غالب کی مولانا سے خط وکتابت رہتی تھی اور مرزا غالب اپنی تالیفات بھی مولانا کو بھیجتے رہتے۔ مولانا کو نادر کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ مولانا کے دلی سے چلے آنے کے بعد مرزا غالب

دلی سے منتخب کتابیں خرید کر بھیجتے تھے۔ مولانا کی قلمی تحریرات میں ایک کاغذ پر "خرید از دہلی معرفت مرزا غالب" کی تفصیل لکھی ہوئی ہے۔ مولانا نور الحسن اور ان کے صاحبزادے حکیم ظہور الحسن محمد ابراہیم (پیدائش ۴ جمادی الاول ۱۲۴۹ھ/۲۹ ستمبر ۱۸۳۳ء۔ وفات ۵ جمادی الاول ۱۳۰۱ھ/ ۸ دسمبر ۱۸۸۹ء شاگرد حکیم احسن اللہ خاں) کے نام مرزا غالب کے بہت سے خطوط خاندانی ذخیرہ میں محفوظ تھے۔ یہ ذخیرہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے ۱۹۴۷ء تک کے نامور علماء، مشائخ طریقت، اہل قلم، سیاسی لیڈروں اور شعراء کی تحریروں اور خطوط کے بہت بڑے مجموعے پر مشتمل تھا۔ اس ذخیرہ کی وسعت کا اس سے اندازہ کیجیے کہ اس میں صرف سرسید کے سو سے زائد خط تھے۔ یہ خزانہ عامرہ جو ہندوستان کی علمی، سیاسی، مذہبی، تہذیبی تاریخ کا نادر مرقع اور ایک بیش قیمت ورثہ تھا چند سال پہلے تک خاندان اعزہ کے یہاں محفوظ تھا لیکن اب اس خاندان کے ایک ناقدر شناس فرد نے یہ نادر الوجود انمول ذخیرہ خاندانی اعزہ کے یہاں سے مختلف اوقات میں حاصل کر کے متفرق اشخاص اور لائبریریوں کو کوڑیوں کے مول فروخت کر دیا۔

۴ فنڈر کی ڈائری کی معلومات کے لئے جرمن فاضل CHRISTIAN WILHELM کا ممنون ہوں۔

۵ "الافاضات الیومیہ" مجموعہ ملفوظات مولانا تھانوی ص ۲۰۵ جلد ۶ حصہ دوئم۔ طبع ادارہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون

۶ "مکتوبات سرسید" مرتبہ شیخ اسماعیل پانی پتی، مکتوب ۱۵، بنام قاضی سراج الدین بیرسٹر ایٹ لا ص ۱۹۱ طبع مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۵۹ء

۷ "مشائخ کاندھلہ" میں واقعات کی ترتیب درست نہیں۔ مولف "مشائخ کاندھلہ" نے سب سے پہلے ملازمت نکوڑ کا ذکر کیا ہے، پھر الور کی روانگی اور آخر میں آگرہ کالج سے وابستگی۔ صحیح ترتیب وہی ہے جو ہم نے ذکر کی۔

۸ مولف "مشائخ کاندھلہ" نے مولانا مملوک علی نانوتوی کو بھی مولانا کے شاگردوں میں شمار کرایا ہے۔ ص ۱۸۱ "مشائخ کاندھلہ"، ہمارے خیال میں یہ صحیح نہیں۔

۹ ارواح ثلاثہ۔ مرتبہ مولانا ظہور الحسن کسولوی طبع جدید امداد الغربا، سہارنپور ص ۱۱۶

۱۰ مولوی محمد علاء الحسن بن مولوی فیض الحسن محمد اکبر کاندھلوی (پیدائش ۴ رجب ۱۲۸۸ھ ۹ ستمبر ۱۸۷۱ء، وفات ۱۰ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ/۲۹ اکتوبر ۱۹۲۲ء) فرسٹ ایم اے او کالج از ۱۸۹۶ء۔ دبائی برادرہڈ سوسائٹی ایم اے او کالج۔ ڈپٹی کلکٹر سلطان پور و بجنور وغیرہ۔ دیکھیے اولڈ بوائز ایم اے او کالج ڈائرکٹری مرتبہ مولانا طفیل احمد منگلوری ص ۲۰۸، "حیات آفتاب"۔ تالیف نواب حبیب اللہ خاں ص ۱۵ طبع اسرار کریمی پریس الہ آباد، میر ولایت حسین مولوی علاء الحسن کو یہ سارٹیفکٹ دیئے جانے پر بہت برہم ہیں۔ "آپ بیتی" میر ولایت حسین ص ۱۱ طبع ایجوکیشنل پریس علی گڑھ ۱۹۷۰ء۔ یہ قلمی سارٹیفکٹ راقم سطور کے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔

۱۱ ہماری معلومات کے مطابق مفتی الٰہی بخش ۱۷۶۶ء میں نواب نجیب الدولہ کے یہاں مفتی مقرر ہوئے۔

۱۲ مولانا فیض الحسن محمد اکبر (پیدائش ۱۰ ربیع الاول ۱۲۵۳ھ/۱۴ جون ۱۸۳۷ء۔ وفات ۸ شوال ۱۳۰۳ھ/ ۸ جولائی ۱۸۸۶ء) پروفیسر اول عربی ایم اے او کالج۔ کالج کے افتتاح کے وقت عربی نظم مبارکباد پڑھی "حیات جاوید" مولانا حالی۔ لاہور ایڈیشن ص ۲۴۱۔ مولوی محمد اکبر سرسید کے لئے عربی کتابوں اور مضامین کے ترجمے بھی کیا کرتے تھے۔ "سرسید حیات و افکار" از عبد الحق

طبع ۱۹۶۰ء مولانا اکبر کے عربی قصائد کا مجموعہ آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے۔ مولانا کی تالیفات "حاشیہ حماسہ" کا قلمی نسخہ ہمارے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے۔ مولانا نے دیوان متنبی پر بھی حاشیہ لکھا ہے اور "مدارک التنزیل" کی تصحیح کی۔

۱۴ "حیات جاوید" طبع اول ص ۵۴۳ طبع دوم ص ۳۶۴ طبع اکاڈمی پنجاب لاہور ۱۹۵۷ء ص ۱۹۴

۱۵ "آپ بیتی" میر ولایت حسین ص ۳۹

۱۶ "جلاء القلوب بذکر المحبوب" شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مشہور تالیف "سرور المحزون" کا بحذف و اضافہ آسان اردو ترجمہ ہے۔ مولانا حالی نے "جلاء القلوب" کی تالیف ۱۲۵۵ھ میں اور شیخ اسماعیل پانی پتی نے "مقالات سرسید" میں ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء بیان کی ہے۔ تعارف کے لئے دیکھیے "حیات جاوید" ص ۱۱۲ لاہور ایڈیشن۔ "جلاء القلوب" پہلی بار رمضان ۱۲۵۹ھ/اکتوبر ۱۸۴۳ء میں سید محمد خاں بہادر (برادر سید احمد خاں) کے مطبع لیتھوگرافک پریس دہلی سے باہتمام عبد الغفور طبع ہوئی۔

۱۷ "جلاء القلوب بذکر المحبوب" مشمولہ مقالات سرسید مرتبہ شیخ اسماعیل پانی پتی مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۵ء ص ۵-۳۰ جلد ۲

"جلاء القلوب" کے متعلق مولانا احتشام الحسن صاحب "مشائخ کاندھلہ" میں لکھتے ہیں۔ سرسید احمد نے سیرت میں ایک رسالہ لکھ کر حضرت مولانا محمد نور الحسن کے پاس اصلاح کے لئے بھیجا جو میرے پاس موجود ہے اور سرسید کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے ص ۱۴۹۔ مولانا کا یہ فرمانا "سرسید کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔" درست نہیں، واقعہ یہ ہے کہ مولانا کی ملک میں "جلاء القلوب" طبع اول کا ناقص نسخہ تھا۔ یہ نسخہ مولانا نے راقم سطور کو بھی دکھایا تھا لیکن میں اس کے قلمی ہونے کے سلسلے میں مولانا کی رائے سے اتفاق نہ کر سکا۔

۱۸ "تحفۂ حسن" ۱۲۶۰ھ میں تالیف ہوا۔ تعارف کے لئے دیکھیے "حیات جاوید" لاہور ایڈیشن ص ۱۱۲ "تحفۂ حسن" ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں پہلی بار طبع ہوا۔

۱۹ حاشیہ از سرسید جناب مولانا و حبیبنا حاجی حافظ محمد نور الحسن صاحب کاندھلوی نے ۱۱ محرم میں ۱۲۸۷ھ کو انتقال فرمایا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ۱۲۸۷۔ طباعت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ مولانا کا انتقال ۱۲۸۵ھ میں ہوا۔

۲۰ "تحفۂ حسن" مشمولہ "مقالات سرسید"، شیخ محمد اسماعیل پانی پتی ص ۵۸، تا ۷۸، جلد ۱۲

۲۱ "تسہیل فی جر الثقیل" کے تعارف کے لئے دیکھیے "حیات جاوید" ۱۱۲ لاہور ایڈیشن۔ یہ رسالہ پادری جیمس مور کے حکم سے آگرہ کے یتیموں کے چھاپہ خانہ میں ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں طبع ہوا۔

۲۲ "معیار العقول" کا قلمی نسخہ ہمارے خاندانی ذخیرۂ کتب میں محفوظ تھا۔ لیکن خاندان کے ایک فرد کی عنایت سے جن کا ذکر خیر "ہم پہلے کر چکے ہیں" یہ رسالہ ملک کی ایک مشہور لائبریری کو فروخت کر دیا گیا۔ یہ نسخہ مولانا نور الحسن کی ملک میں رہ چکا تھا۔ اس لئے بہت ممکن ہے کہ سرسید کے سامنے ترجمہ کے وقت یہی نسخہ رہا ہو۔

۲۳ "تسہیل فی جر الثقیل" مشمولہ "مقالات سرسید"، مرتبہ شیخ اسماعیل پانی پتی ص ۱۰۹-۷۷ جلد ۱۶

۲۴ "آثار الصنادید" نول کشور لکھنؤ ۱۹۰۰ء حصہ چہارم ص ۲۹۔ "آثار الصنادید" طبع جدید دہلی ص ۵۰

"تذکرہ اہل دہلی" باب چہارم آثار الصنادید، مرتبہ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی طبع دوم کراچی ص ۱۲۵

"تذکرہ اہل دہلی" مشمولہ "مقالات سرسید" ص ۳۴۶-۳۴۸ جلد ۱۶

تذکرۂ مولانا نور الحسن۔ مندرجہ "آثار الصنادید" کا خلاصہ مولوی بشیر الدین دہلوی نے "واقعات

دارالحکومت دہلی" میں شامل کیا ہے ۔ دیکھئے "واقعات دارالحکومت دہلی" طبع شمسی مشین پریس آگرہ ، ۱۹۱۹ء ص ۴۱۵ جلد دوم ۔

[۲۶] مجموعہ مکاتیب مولانا فضل حق خیرآبادی و مفتی صدرالدین آزردہ بنام مولانا نورالحسن کاندھلوی مرتبہ مولانا محمد سلیمان کاندھلوی مکتوب ۱۰ ۔ ورق ۱۵ ۔ الف

[۲۷] مورخہ ۹ جنوری ۱۸۷۵ء از بنارس "مکتوبات سرسید" مرتبہ شیخ اسماعیل ص ۲۲۹ ۔ ۲۳۰ ۔ یہ خط مولانا حالی نے بھی "حیات جاوید" (ص ۲۸۳ ۔ ۲۸۴ طبع دوم ۔ لاہور ایڈیشن ۔ ص ۵۰۰) میں نقل کیا ہے مگر اس میں مکتوب الیہ کا نام اور تاریخ تحریر کا ذکر نہیں اور اس کا متن بھی شیخ اسماعیل کے بیان کردہ متن سے مختلف ہے ۔ اس لئے ہم نے "مکتوبات سرسید" کے متن پر اعتماد کیا ہے ۔

[۲۸] (حکیم مولوی) حافظ عبدالرحمان حیرت جھنجھانوی ۔ حیرت نے مولانا عبدالرزاق جھنجھانوی اور مولانا امام بخش صہبائی سے عربی فارسی کی اور حکیم احسن اللہ خاں سے طب کی تکمیل کی ۔ حیرت نہایت ذی استعداد عالم ، بہت اچھے انشاپرداز اور اردو فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے ۔ ان کے کلام میں صفائی اور سادگی کے ساتھ ساتھ مزہ بھی ہے ۔ سرسید جس وقت دہلی سے رہتک گئے اس وقت مولانا نورالحسن اور مولانا مظفر حسین کاندھلوی نے حیرت کو دس سال کی عمر میں سرسید کے حوالے کیا تھا ۔ حیرت نے اس وقت سے وفات تک تمام عمر سرسید کی رفاقت میں گزاری اور سرسید کی قومی خدمات میں بہت زیادہ معاون اور مددگار رہے ۔ "تہذیب الاخلاق" کے پہلے اور دوسرے دور میں اس کے مرتب اور ناشر رہے ۔ افسوس علی گڑھ تحریک کے لئے حیرت کی قربانیاں یکسر فراموش کر دی گئیں ۔ تعجب ہے کہ حالی نے "حیات جاوید" میں حیرت کا ذکر بہت معمولی انداز میں کیا ہے ۔ ایک جگہ لکھتے ہیں ۔ " حافظ عبدالرحمان مرحوم جو سید محمود کے بچپن کے استاد تھے ۲۵ برس سرسید کے ساتھ رہے ۔ وہیں ان کا خاتمہ ہوا ۔" حیات جاوید ص ۴۰۰ طبع دوم جلد دوم ۔ محسن الملک کے نام سرسید کے خطوط میں بار بار حافظ جی کا ذکر آتا ہے ۔ اس سے عبدالرحمان حیرت ہی مراد ہوتے ہیں ۔ حیرت نے علی گڑھ میں سرسید کی کوٹھی میں بروز جمعہ ۵ جمادی الثانی ۱۳۰۳ھ/۱۱ مارچ ۱۸۸۶ء کو وفات پائی ۔ حیرت کی ۶ تالیفات کا علم ہو سکا ہے (۱) "مثنوی جنگ عشق" تالیف ۱۸۷۰ء / ۱۲۸۷ھ طبع بریلی ۱۳۰۱ (۲) "انشائے فیض رحمانی ، (مرزائی خطوط کا مجموعہ) تالیف ۱۸۷۹/ ۱۲۹۶ھ طبع لکھنو ۱۸۸۵ء (۳) "سفینۂ رحمانی" تالیف ۱۸۸۰/ ۱۲۹۸ھ طبع لکھنو ۱۸۸۴ء/ ۱۳۰۱ ۔ (۴) "شمامۂ مشام افروز" تالیف ۱۸۸۴ طبع لکھنو ۔ (۵) "ساقی نامہ" تالیف ۱۸۸۵ ۔ طبع مراد آباد (۶) دیوان حیرت طبع لکھنو ۔ اول الذکر تین کے مکمل اور ۴ ۔ ۵ کے ناقص نسخے ہمارے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہیں ۔ لالہ سری رام نے "خمخانۂ جاوید" ۲ ۔ ۵۴۴ میں ، امداد صابری نے "تاریخ صحافت اردو" ۳۸۷ ۔ ۳۸۹ جلد ۲ اور "۱۸۵۷ء کے مجاہد شعراء" ص ۲۸۳ میں حیرت کا ذکر کیا ہے ۔

[۲۹] مولانا محمد سعید کیرانوی مہتمم مدرسۂ صولتیہ مکہ مکرمہ ۔ مدرسہ کی سالانہ رپورٹ میں اپنے سفر ہندوستان اور علی گڑھ میں سرسید سے ملاقات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

"سید محمود کے پاس سے نکل کر نماز عصر کی تیاری میں تھا کہ آج کے نواب مسعود جنگ بہادر سر راس مسعود کھیلتے ہوئے سامنے آنکلے ۔ مولوی عبداللہ انصاری نے بتایا اس وقت تک تعلیم کی غرض سے ولایت نہ گئے تھے میرے ایک عزیز سے ابتدائی تعلیم کا سلسلہ جاری تھا ۔ ص ۲۰ "روداد مدرسہ صولتیہ" ۴۷ ۔ ۱۳۴۸ھ طبع دہلی

یہ عزیز مولوی محمد سلیمان تھے ۔ مولوی محمد سلیمان (فرزند چہارم مولانا محمد نورالحسن ، پیدائش ۱۰ جمادی الاول ۱۲۶۷ھ / ۱۲ جولائی ۱۸۵۱ء ۔ وفات ۴ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ / ۸ فروری ۱۹۰۸ء ۔ نہایت ذی علم اور باوقار بزرگ تھے ۔ تعلیم والد بزرگوار سے حاصل کی ۔ فقر اور تصوف سے خصوصی مناسبت تھی ۔ ۱۸۸۴ء سے علی گڑھ قیام رہا ۔ مولوی محمد اکبر کے انتقال کے بعد منیجر بورڈنگ ہاؤس (ایم ۔ اے ۔ او کالج) بنا دیئے گئے ۔ آخر عمر میں بیماری کی وجہ سے وطن آگئے تھے ۔ یہیں انتقال ہوا ۔ مولوی محمد سلیمان کو سرسید کے مذہبی خیالات سے اتفاق نہ تھا ۔ اس سلسلے میں ان کے چند مقالات بھی اس زمانے کے اخباروں میں آئے تھے ۔ مولوی محمد سلیمان کی علمی یادگار یہ تالیفات ہیں (۱) کتاب بر فقہ عربی میں (۲) حاشیہ عربی قصیدہ (۳) "اشاعۃ الاسناد عن اعادۃ الجماعۃ" جواب "القطوف الدانیہ فی کراہتہ جماعۃ الثانیہ" تالیف مولانا رشید احمد گنگوہی (۴) مولوی محمد سلیمان کا سب سے اہم علمی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مولانا نورالحسن کے نام مولانا فضل حق خیرآبادی ، مولانا فضل عظیم خیرآبادی ، مفتی صدرالدین آزردہ اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے خطوط کو کتابی شکل میں جمع کیا ۔ میر ولایت حسین چند وجوہات کی بنا پر اہل کاندھلہ سے بیحد برافروختہ ہیں ۔ اسی لئے انہوں نے مولوی محمد سلیمان کے متعلق بھی بہت ہی نامناسب اور سخت ریمارک دیئے ہیں ۔

[۳۰] مولوی محمد بدرالحسن فرزند مولوی محمد اکبر کاندھلوی (پیدائش ۸ جمادی الثانیہ ۱۲۸۷ھ / ۲ جنوری ۱۸۷۰ء ، وفات ۵ رمضان ۱۳۴۵ھ / ۱۹ مئی ۱۹۲۲ء) وائس پریذیڈنٹ یونین کلب ۱۸۸۷ء ۔ وظیفہ یاب ایم ۔ اے ۔ او کالج ۱۸۹۰ء منصف لکھنو ۔ ڈسٹرکٹ جج اناؤ وغیرہ ۔ ایم ۔ اے ۔ او کالج سے محبت نہیں عشق تھا ۔ ریٹائر ہونے کے بعد مستقل قیام علی گڑھ کر لیا اور کالج کے آنریری جائنٹ سیکریٹری بنا دیئے گئے تھے ۔ علی گڑھ میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہیں ۔ عربی ادب اور فلسفہ خاص موضوع تھے ۔ قرآن پاک پر عربی فوائد علمی یادگار ہیں ۔

[۳۱] روایت جناب مولوی محمود الحسن صاحب کاندھلوی (بی ۔ ایس سی بی ٹی ، اولڈ بوائے ایم ۔ اے ۔ او کالج ۱۹۱۵ء تا ۱۹۲۲ء

[۳۲] "مکاتیب سرسید" ص ۸ ۔ مجلس ترقی ادب لاہور

[۳۳] دوسرے خط مورخہ ۱۳ دسمبر ۱۸۶۲ء از غازی پور کے سرنامہ کے الفاظ یہ ہیں ۔

جناب حضرت قبلہ و کعبہ دو جہانم سلامت ۔ بعد ادائے آداب و تسلیمات غلامانہ

▭ ▭

بقیہ "اداریہ"

لیکن شمیم قنوطی شاعر نہ تھے ۔ اُن کا غالب رنگ ان اشعار سے جھلکتا ہے :

کامراں ہوں خس و خاشاک میں شعلے کی طرح
راہ بے خار مری گرمیِ رفتار سے ہے

شمیم گھر کو لگی آگ ، غم نہیں ، لیکن
وہاں کچھ اور بھی گھر ہیں جہاں اگر ہے

شب فراق کا اتنا بھی کر نہ غم اے دل
سوئے سحر ہی گئی آج تک جو رات گئی

کہاں سرور کی تکمیل ہو سکی ساقی
ابھی حیات ہے اک ناتمام انگڑائی

چمک رہے ہیں ابھی حاشیے خیالوں کے
شب فراق ابھی تیری تیرگی کم ہے

۱۹ مارچ ۱۹۷۵ء کو شمیم کرہانی کو ابد کا اُجالا مل گیا لیکن ان کے بارے میں ہمارے خیالات کے حاشیے ہمیشہ چمکتے رہیں گے ۔

ترتیب

سرورق۔ جمہوریۂ ہند کے سابق صدر ڈاکٹر رادھا کرشنن جن کا ۱۷/ اپریل ۱۹۷۵ء کو انتقال ہوگیا۔ (عکس: جیون اڈلجہ)

پشت۔ ڈاکٹر ذاکر حسین (۸/ فروری ۱۸۹۷ء - ۳/ مئی ۱۹۶۹ء)
یہ تصویر جناب اقبال فرید نے ٹائپ رائٹر کے حروف سے بنائی ہے۔

اُردو کا مقبول عام مصوّر ماہنامہ
نئی دہلی

آجکل

ایڈیٹر
مہدی عباس حسینی

ٹیلیفون نمبر:- ۳۸۷۰۶۹

سب ایڈیٹر
نند کشور وکرم

جلد (۳۳) شمارہ (۱۰)

مئی ۱۹۷۵ء
بیساکھ جیٹھ شک سمت ۱۸۹۷

شرح چندہ

سالانہ	دس روپیہ	۳ ڈالر	۱ پاؤنڈ
دو سالہ	۱۷ روپیہ	۵ ڈالر	۱/۷۰ پاؤنڈ
سہ سالہ	۲۴ روپیہ	۷ ڈالر	۲/۴۰ پاؤنڈ
فی کاپی	ایک روپیہ	۳۰ سینٹ	۱۰ پنی

شائع کردہ
ڈائرکٹر پبلی کیشنز ڈویژن، پٹیالہ ہاؤس، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

مضامین سے متعلق خط و کتابت کا پتہ
ایڈیٹر "آج کل" اردو، پبلی کیشنز ڈویژن، پٹیالہ ہاؤس، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

ترسیلِ زر کا پتہ
بزنس منیجر، پبلی کیشنز ڈویژن، پٹیالہ ہاؤس، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱